AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

تفسیر المقام المحمود اور تفسیر تدبر قرآن کے منہج کا تقابلی جائزہ

A COMPARATIVE ANALYSIS OF THE METHODOLOGY OF TAFSIR AL-MAQAM AL-MAHMOUD AND TAFSIR AL-TADBIR AL-QURAN

Hammad Ali
M.phil Scholar, Sheikh Zayed Islamic Centre, Punjab University Lahore.
Dr Haris Mubeen
Professor, Sheikh Zayed Islamic Centre, Punjab University Lahore.

Abstract

In the field of Qur'anic understanding, two eminent exegetes of the Indian subcontinent – Maulana Ubaidullah Sindhi and Maulana Amin Ahsan Islahi –hold a prominent position. Both of them presented the interpretation of the Qur'an with a systematic intellectual methodology; however, there is a clear difference in their perspectives and principles of exegesis.Maulana Ubaidullah Sindhi's exegesis, "Al-Maqam Al-Mahmood," is in fact part of his broader intellectual system, which he presented as a continuation of Shah Waliullah's socio-political thought. His tafsir distinctly reflects Shah Waliullah's wisdom, the formulation of a collective social system, the principles of an Islamic state, and the practical dimensions of the Qur'an. His methodology is predominantly referred to as socio-political exegesis, in which the verses are not confined merely to spiritual or individual guidance but are used to derive a collective revolutionary manifesto.In contrast, Maulana Amin Ahsan Islahi, in his exegesis "Tadabbur-e-Qur'an," based his approach on the principles of Qur'anic coherence (Nazm) established by his teacher Imam Hamiduddin Farahi. According to him, the Qur'an is a coherent and systematic book in which each surah has a central theme, and the interrelation and connection between surahs provide consistent guidance. His methodology is grounded in literary, principled, and semantic coherence, where the arrangement of verses and surahs, the precedence and delay of words, and the context are used to present a rational and well-structured interpretation.

Key words: *Tafsir Al-Maqam Al-Mahmood,Maulana Ubaidullah Sindhi,Tadabbur-e-Qur'an,Amin Ahsan Islahi,Comparative analysis,Methodology of exegesis, Revolutionary interpretation،Literary coherence (Nazm),Shah Waliullah's thought, Principles of tafsir, Qur'anic interpretation in South Asia.*

موضوع کا تعارف:

قرآن فہمی کے باب میں برصغیر پاک و ہند کے دو عظیم مفسرین "مولانا عبید اللہ سندھیؒ" اور "مولانا امین احسن اصلاحیؒ" کا نمایاں مقام ہے۔ ان دونوں نے قرآن مجید کی تفسیر کو ایک منظم فکری منہج کے ساتھ پیش کیا، تاہم ان کے زاویۂ نظر اور اصول تفسیر میں واضح فرق پایا جاتا ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھی کی تفسیر "المقام المحمود" دراصل ان کے وسیع فکری نظام کا حصہ ہے جو

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

انہوں نے شاہ ولی اللہؒ کی سیاسی و سماجی فکر کے تسلسل میں پیش کیا۔ ان کی تفسیر میں شاہ ولی اللہؒ کی حکمت، اجتماعی نظام کی تشکیل، اسلامی ریاست کے اصول، اور قرآن کی عملی جہت نمایاں نظر آتی ہے۔ ان کا منہج زیادہ تر اجتماعی و سیاسی تفسیر کہلاتا ہے جس میں آیات کو صرف روحانی یا انفرادی ہدایت تک محدود نہیں رکھا جاتا بلکہ ان سے اجتماعی انقلابی منشور اخذ کیا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے اپنی تفسیر "تدبر قرآن" میں استاذ امام حمید الدین فراہیؒ کے قائم کردہ نظم قرآن کے اصول کو بنیاد بنایا۔ ان کے نزدیک قرآن مجید ایک مربوط اور منظم کتاب ہے جس کی ہر سورت کا ایک مرکزی موضوع (عمود) ہوتا ہے اور سورتوں کا آپس میں ربط و تعلق بھی مستقل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ ان کا منہج ادبی، اصولی اور معنوی نظم پر مبنی ہے جس میں آیات و سورتوں کی ترتیب، کلمات کی تقدیم و تاخیر، اور سیاق و سباق کی بنیاد پر مدلل تفسیر کی گئی ہے۔ لہذا یہ تحقیق دو مختلف مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے علماء کے تفسیری منہج کو واضح کرتی ہے۔

تفسیر المقام المحمود کا منہج

کتاب کا تعارف:

اس تفسیر کا مکمل نام "المقام المحمود فی تفسیر کتاب اللہ الودود"۔ یہ تفسیر سال ۲۰۲۵ء سے قبل مکمل طور پر چھپی ہوئی نہیں تھی۔ اب یہ تفسیر مکمل طور پر "سندھ ساگر عبید اللہ فکری فورم کراچی" سے چھپ چکی ہے۔ اس تفسیر کے مدون و مرتب "حافظ محمد صدیق میمن صاحب" ہیں۔ یہ تفسیر ۳ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اور یہ تفسیر مولانا عبید سندھیؒ کی "امالی" ہے۔ جو ان کے شاگرد رشید "مولانا عبد اللہ بن نہال لغاری" سے ہم تک پہنچی ہے۔

اس تفسیر میں امت مسلمہ کو قرآن کریم کی روشنی میں انگریز کے طوق غلامی سے نجات دلانے کیلئے آیات کی تفسیر حضرت شاہ ولی اللہؒ کے فکری اصولوں کے مطابق انقلابی طرز پر کی گئی ہے۔ اس تفسیر میں مزید امت کی سیاسی و فکری رہنمائی کی گئی ہے۔ تاکہ امت آگے جا کر ایک اجتماعی عادلانہ نظام قائم کر سکے اور دنیا میں اسلام کی اجتماعی اور سیاسی قوت کو زندہ کرے۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

ا۔ تفسیر القرآن بالقرآن:

مولانا سندھیؒ آیات کی تفسیر میں ایک آیت کی تفسیر دوسری آیت سے بھی کرتے ہیں۔ لیکن دوسری آیت اجمالا یا حوالہ کے طور پر ذکر کرتے ہیں کہ اس کا ذکر فلاں آیت میں بھی ہے مثلا:

" خَتَمَ ٱللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْۖ وَعَلَىٰٓ أَبْصَٰرِهِمْ غِشَٰوَةٌۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ "۔[1]

آپؒ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۷ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ؛

"آیت (۷) خَتَمَ ٱللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ: یہ ان کفار کا ذکر ہے جنہیں سچی بات کے سننے سے اس قدر نفرت تھی کہ وہ صداقت کو سننا تک گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اپنا اس طرف توجہ ہی نہیں کرتے تھے اور نہ اپنی دل کو صداقت کی طرف مائل ہونے دیتے تھے (سورۃ الاعراف آیت ۱۷۹: لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَاۖ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَاۖ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَاۗ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ) میں اسی طرف اشارہ ہے کہ انکے دل ہیں مگر وہ اس سے سوچتے نہیں آنکھیں رکھتے ہیں، کان رکھتے ہیں، مگر ان سے سنتے نہیں، اسکی مثال ایسی ہے کہ ایک سمجھدار آدمی ہے مگر بری عادتوں میں پڑ کر اسی مرض میں مبتلا ہو گیا ہے کہ مرض لا علاج ہو چکا ہے۔ جیسے انسان ہے نکاح کرنے کی غرض و غایت یہ تھی کہ اس سے اولاد پیدا ہو، مگر ایک اچھا بھلا توانا آدمی ہے۔ برے کاموں میں پڑ کر اس کو آتشک کا مرض لاحق ہو گیا ہے اسکا علاج ڈاکٹر نے یہ کیا کہ اس عضو کو ہی کاٹ ڈالا تا کہ بیماری آگے نہ بڑھنے پائے۔ اب اگر چہ اسکی صحت وغیرہ سب کچھ اچھی ہے مگر تولید کی قدرت نہیں۔ اسی طرح ان کفار کا مرض لا علاج ہے یعنی ان میں صداقت سننے کا مادہ ہی فنا ہو چکا ہے۔"[2]

۲۔ تفسیر القرآن بالحدیث:

آپؒ قرآن کریم کی بعض آیات کی تفسیر میں احادیث مبارکہ کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ لیکن آپؒ نے بہت کم آیات کی تفسیر احدیث مبارکہ سے کی ہے مثلا:

---

[1] البقرہ: ۲: ۷

[2] سندھی، عبید اللہ، مولانا، المقام المحمود فی تفسیر کتاب اللہ الودود، سندھ ساگر عبید اللہ فکری فورم، کراچی، طبع ۲۰۲۵، ج ا، ص: ۹

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

"وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۖ كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ"۔[3]

بخاری میں سعید بن زید کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھمب بھی من کی اقسام میں سے ہے۔ ترمذی میں ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کے اصحاب میں سے بعض لوگ اعراب کے توہمات کے مطابق باتیں کر رہے تھے، کھمب زمین کی چیچک ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو سن کر فرمایا کہ نہیں کھمب نے من کی اقسام میں سے ہے۔[4]

۳۔ تفسیر القرآن بآثار الصحابہ:

مولانا سندھیؒ کی یہ تفسیر چونکہ امالی ہے اور آپؒ ہر ایک لفظ کا ترجمہ نہیں کرتے۔ الفاظ کے مجموعوں کی تفسیر کرتے ہیں۔ لہٰذا آپؒ آیات کی تفسیر کے ضمن میں اجمالا صحابہ کرام کے واقعات یا کسی صحابی کا قول نقل کرتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ مولانا سندھیؒ براہ راست کسی آیت کی تفسیر کسی صحابی کے قول سے کرتے ہیں مثلا؛

آپؒ سورہ نساء کی آیت:۱۰۲ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

"وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۚ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۖ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۗ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكَافِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا"۔[5]

"آیت (۱۰۲) وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ: امام کے پیچھے ایک جماعت ایک رکعت پڑھے اور دوسری جماعت دشمن سے مقابلہ کرے اور اسکے بعد پہلی جماعت ایک رکعت ادا کرنے کے بعد دشمن کے مقابلہ پر چلی جائے اور دوسری جماعت نماز کیلئے آجائے۔

---

[3] البقرہ:۲:۵۷

[4] المقام المحمود، ج۱، ص:۴۱

[5] النساء:۴:۱۰۲

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

جہاد کی نماز اور روزہ پر فضیلت:

"حضرت خالد بن ولیدؓ ایک نہایت لاجواب جنرل تھے۔ آپ ابھی اسلام نہیں لائے تھے کہ ایک دفعہ مسلمانوں کے مقابلہ پر آگئے۔ یہ اپنی فوج لیکر اسلئے میدان میں پڑے ہوئے تھے کہ مسلمان جب نماز عصر ادا کرینگے تو ان پر پل پڑینگے اور انکو کاٹ کر رکھ دینگے، مگر آپ ﷺ نے آدھی فوج کو نماز پڑھائی اور بقیہ آدھی فوج دشمن کا مقابلہ کرتی رہی۔ حضرت خالد بن ولید اس سے بہت متاثر ہوئے کہ واقعی اللہ تعالی مسلمانوں کے ساتھ ہے کہ انکو نقصان نہیں پہنچنے دیتا پھر وہ مسلمان ہو گئے۔ غرض اس جگہ نماز اور روزہ کے مقابلہ میں جہاد کو اس قدر فضیلت دی کہ نماز اور روزہ کو اسکے ماتحت رکھا۔وَخُذُوْا : یعنی نماز میں بھی جہاد کے ہتھیار اپنے ساتھ ہی رکھیں"۔[6]

۴۔ تفسیر قرآن میں سابقہ کتب سماوی سے رہنمائی:

مولانا سندھیؒ قرآن کریم کی آیات کی تفسیر میں سابقہ کتب سماوی سے رہنمائی بہت لیتے ہیں مزید یہ کی کتب سماوی کا تذکرہ کرتے ہیں اور ان کا اسلام سے موازنہ بھی کرتے ہیں۔ مثلا سورہ بقرہ:۴۱ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

"وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْآ اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيَاتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ"۔[7]

آیت (۳۱) وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ: توریت میں پیشن گوئی ہے کہ بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام کی مانند ایک نبی انکے بھائیوں سے آئیگا۔ بنی اسرائیل کی تاریخ بتلاتی ہے کہ ایسا نبی موسی علیہ السلام کے بعد نہیں آیا حتی کہ عیسی علیہ السلام نے بھی دعوی نہیں کیا کہ وہ وہی نبی تھا۔ (انجیل) مگر جب وہ نبی آ گیا تو بنی اسرائیل پر فرض تھا کہ وہ اس نبی پر ایمان لاتے، مگر وہ ایمان نہیں لائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آغاز نبوت میں ہی فرمایا تھا کہ وہ مثیل موسیٰ علیہ السلام ہیں اور قرآن حکیم اسکے متعلق متعدد بار ذکر کرتی ہے۔

کتاب استثناء باب ٦ آیت ا تا نمبر ١٠ میں ہے اور یہ وہ برکت ہے جو موسی مرد خدا نے اپنے مرنے سے پہلے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور ساعیر (پہاڑ کا نام ہے) سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوا۔ دس

---

[6] المقام المحمود، ج ا:۲۸۹

[7] البقرہ:۲:۳۱

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور ان کیلئے اسکے داہنے ہاتھ ایک آتشیں شریعت تھی۔ غرض توریت کی اس بشارت میں کوہ سینا کو جناب موسیٰؑ سے اور کوہ ساعیر کو جناب عیسیٰؑ سے اور کوہ فاران کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ھم الانبیاء کلھم سے نسبت دی۔۔[8]

اسی طرح مولانا سندھیؒ سماوی ادیان کے علاوہ اپنی تفسیر میں غیر سماوی ادیان، ان کی تعلیمات اور ان کی کتب کا بھی تذکرہ فرماتے ہیں۔ مثلاً سورہ بقرہ:۶۲ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ؛

"اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصَارٰى وَالصَّابِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ"۔[9]

آیت(۶۲)اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصَارٰى وَالصَّابِئِيْنَ: صابی-ایرانی جس میں یونانی بھی شامل ہیں۔ ہندو جن میں برہمن مذہب یعنی ویدک دھرم اور بودھ مذہب شامل ہیں۔ ترجمہ: وہ لوگ جو ایمان لائے یہود و نصاری اور صابی ،ان میں سے جو کوئی بھی اللہ پر اور قیامت پر یقین رکھتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں وہ اپنے مولی کے ہاں سے اسکا عوض لیں گے اور نہ ان کو کسی قسم کا فکر اور نہ کسی قسم کا غم ہے۔ یہاں ابتدائی مدارج ایمان بتلائے گئے ہیں جیسے کہا جائے کہ "الانسان حیوان ناطق" پھر آگے "انسان مفکر" کی قسمیں ہیں۔ اعلیٰ، ادنی، اسی طرح مذہبی آدمی ہونے کیلئے یہ اوصاف ضروری ہیں اس سے کم مذہبی جماعت نہیں کہلاتی اور نہ نجات کی مستحق ہے۔(یہ مولانا کی تقریر ہے خود مولانا نے فرمایا)[10]

۵۔ناسخ ومنسوخ:

مولانا سندھیؒ قرآن کریم میں نسخ کو نہیں مانتے۔ان کے نزدیک آیات میں تطبیق کرنی چاہئے جیسے شاہ صاحبؒ ۵۰۰ منسوخ آیات سے صرف ۵ آیات پر لے آئے ہیں۔ان کے نزدیک اب بقیہ پانچ آیات میں بھی تطبیق ہونی چاہئے۔اب ان کے سامنے

8 المقام المحمود، ج ا ص:۲۵
9 البقرۃ:۲:۶۲
10 المقام المحمود، ج ا ص:۴۳

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

یہ سوال تھا کہ قرآن حکیم میں خود نسخ کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ سورہ بقرہ:۲:۱۸۰ کی آیت کے بارے میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی رائے ہے کہ؛

"کُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَاۨ ۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ"۔[11]

آیت (۱۸۰) كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ: بعض کہتے ہیں کہ جب میراث کی آیت اتری تو یہ آیت منسوخ ہو گئی حالانکہ یہ غلط ہے، مثلاً ایک نو مسلم امیر آدمی صاحب جائداد ہے اور اسکی ماں بدستور اپنے قدیم مذہب پر قائم ہے اور وہ مسلمان نہیں ہوئی تو وہ اسے بطور وصیت کے اپنے جائداد کا حصہ دے سکتا ہے (دیکھو ملاح لابن القیم مذہب احمد بن حنبل)۔[12]

مولانا سندھیؒ سورہ انفال:۸:۶۶ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ؛

"اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۚ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِيْنَ"۔[13]

کوئی آیت منسوخ نہیں

آیت (۶۶) اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ: تم ابھی بتدائی درجہ کی تنظیم پر ہو تمہاری تنظیم ابھی اس قدر مضبوط و مستحکم نہیں ہوئی اس واسطے تمہیں ایک آسان حکم دیا جاتا ہے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ آیت (۶۵) کو آیت (۶۶) نے منسوخ کر دیا ہے اگر وہ غور سے دیکھیں تو ان کو پتہ چلے گا کہ آیت (۶۵) ان لوگوں کے واسطے ہے جو مکمل درجہ حاصل کر لیتے ہیں اور آیت (۶۶) ابتدائی درجہ والوں کے لئے ہے۔ ابتدائی درجہ والے جب اپنی تنظیم کو ابتدائی دور سے شروع کرتے ہیں تو اس صورت میں یہ اپنے سے دوگنی فوج پر فتح پاتے ہیں اور جب ان کی تنظیم مکمل درجہ پر ہو جائے یعنی ان کا سامان حرب دوسروں سے بڑھ کر اور ان کی فوج دوسروں سے بہترین قواعد دان اور اعلیٰ ترکیب یافتہ ہو تو اس صورت میں مسلمانوں کی فوج اپنے سے کئی گنا بڑی فوج پر فتح حاصل کر سکے گی۔

---

11 البقرہ:۲:۱۸۰

12 المقام المحمود، ج۱، ص:۹۸

13 الانفال:۸:۶۶

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

اب ذکر ہوتا ہے کہ اگر فوجی افسر اور اس کی مشیر مرکزی جماعت جنگ میں کوئی فیصلہ کرے اور وہ غلط ثابت ہو جس سے نقصان پہنچ جائے تو اسے برداشت کرنا چاہئے یہی تنظیم کا وصف ہے جیسے بدر کے قیدیوں میں ہوا، ابو بکر کی رائے فدیہ لے کر چھوڑنے کی تھی کیوں کہ مسلمانوں کو روپیہ کی ضرورت ہے اور ممکن ہے کہ کوئی قیدی بعد میں ہدایت پا کر اسلام قبول کرے۔ مگر حضرت عمر فاروقؓ کی رائے قتل کی تھی کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف بہت شدید کام کئے ہیں اس لئے چھوڑنے پر دوبارہ جنگ کے لیے آمادہ ہوں گے۔ اور مسلمانوں کے خلاف دوبارہ لوگوں کو بھڑکائیں گے۔ اور قتل کی صورت بھی خاص پیش کی جو روایات میں ہے تاکہ بعد میں کسی قسم کا فتنہ نہ اٹھے مگر عمل حضرت ابو بکرؓ کی رائے پر ہوا۔ بعض فدیہ دے کر رہا ہوئے جو فدیہ نہ دے سکے ان کو کہا گیا کہ تم مسلمانوں کے بچوں کو نوشت و خواند سکھلائیں اس کے بعد ان کو بھی رہا کر دیا گیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔[14]

٦۔ تاریخی تفسیر:

مولانا سندھیؒ اپنی بات کو واضح اور سمجھانے کیلئے تاریخی واقعات کو بھی بیان کرتے ہیں نتیجہ اخذ کرنے کیلئے مثلاً سورہ توبہ ۲۹:۹ میں مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں کہ؛

"قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ"۔[15]

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ: ان سے لڑائی اس وقت بند کر دو جب تمہاری سیاست قبول کر لیں اس صورت میں ان سے جزیہ لے کر ان کو امن وامان وچین سے رہنے دینا چاہئے مگر یہ صرف اہل کتاب کے لئے ہے ان سے جزیہ لینے کی اسلام اجازت دیتا ہے اور وہی اسلامی سیاست قبول کر کے اور جزیہ دے کر اسلامی حکومت کے ماتحت رہ سکتے ہیں مگر اسلام کسی غیر حکومت کی سیادت میں نہیں رہ سکتا۔

---

[14] المقام المحمود، ج ا، ص: ۵۹۴

[15] التوبہ: ۲۹:۹

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

جزیہ صرف اہل کتاب سے لیا جاتا ہے اس کا یہ مطلب تھا کہ اہل کتاب اپنے سیاسی اقتدار سے دست بردار ہوتے ہیں اور اسے اسلام کے سپرد کرتے ہیں وہ اپنی حفاظت خود نہیں کریں گے یعنی فوج میں شامل نہیں ہوں گے بلکہ ان کی حفاظت اسلامی حکومت کرے گی۔ جزیہ لینے کے بعد ان کو مکمل مذہبی آزادی عطا کی جاتی ہے کہ وہ اپنے تمام معاملات میں آزاد ہیں جزیہ بھی صرف ان کی حفاظت و حمایت کا ایک ادنی معاوضہ تھا جو انہیں دشمنوں کے صلوں اور راستوں کی بدامنی سے ماموں بنا دیا تھا اور جزیہ کی یہ رقم بہر حال اس خرابی کا ایک جزوی حصہ تھی جو وہ رومی اور ایرانی حکومتوں کو ادا کیا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ دیانتداری پر اس قدر سختی سے عمل تھا کہ اگر جزیہ کی رقم قبول کر لینے کے بعد کسی وجہ سے کسی شہر کی حفاظت سے وہ کسی وقت قاصر ہوتے تو یہ جزیہ کی رقم واپس کر دیتے تھے۔

"حمص" مفتوحہ علاقہ میں مسلمانوں کے پاس آ چکا تھا اور جزیہ کی رقم قبول کی جا چکی تھی یعنی ادا کر چکے تھے لیکن سیاسی مصالح کی بنا پر اسلامی فوج کا اجتماع "یرموک" میں ضروری قرار پایا تو حمص کی حفاظت ان سے ممکن نہ ہو سکی اس لئے عرب سپہ سالار نے اہل حمص کو ان الفاظ میں جزیہ کی رقم واپس کر دی کہ ہم سر دست تمہاری حفاظت کرنے میں قاصر ہیں اس لئے تمہاری جزیہ کی رقم واپس کی جاتی ہے تم اپنی حالت خود سنبھال لو۔

حضور علیہ السلام نے ایرانیوں سے جزیہ لیا اس کا یہ مطلب ہوا کہ ان کو حضور ملی ایم نے اہل کتاب قرار دیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسے قانونی سانچہ میں ڈھال دیا گیا۔ بنی امیہ کے زمانہ میں محمد بن قاسم (جو حجاج بن یوسف گورنر عراق کا داماد تھا) نے ہندوستان پر حملہ کر کے سندھ فتح کر لیا اور اس جگہ کے ہندو باشندوں کو اہل کتاب قرار دے کر ان سے جزیہ لیا۔[16]

۷۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تعلیمات اور ان کا فلسفہ:

مولانا سندھیؒ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تعلیمات اور ان کے فلسفہ سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ لہذا آپؒ اپنی تفسیر میں شاہ صاحبؒ کی تعلیمات، فلسفہ اور ان کی کتب کا ذکر کرتے ہیں مثلاً سورہ اعراف:۷:۳۳ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ؛

تصوف میں شاہ ولی اللہؒ کی تعلیم؛

[16] المقام المحمود، ج۱، ص:۶۱۳

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب آتے ہیں تصوف کے مسائل کو عام انسانی نوع کی ضرورت کا ایک ٹکڑا بنا حل کرتے ہیں وہ پہلے عام انسانیت کا مطلب سمجھاتے ہیں مثلا کھانا پینا، شادی ہونا اولاد پیدا کرنا دوست و احباب سے ملنا جلنا غرض اجتماعی حالت کی کیفیت بتلاتے ہیں کہ کس طرح جماعت پیدا ہوتی ہے اس میں اگر سپاہی کی ضرورت ہے تو اسی طرح تاجر کی اگر ایک عالم کی ضرورت ہے تو ایک عالم کی۔ فرض اس مجموعے کا نام سے سوسائٹی ہے اس کے بعد وہ اخلاق کی بحث لیتے ہیں کہ ہماری انسانیت اس کی محتاج ہے انسانیت کی ہر ایک جماعت اپنے فن کو مکمل کرتی ہے مثلاعالم علم و تکمیل کرتا ہے فلسفی فلسفہ کو وغیرہ وغیرہ یہ ترقی اسی طرح پر ہو گی جیسے فنون کی تکمیل ہوتی ہے اسی طرح اخلاقیات کی تکمیل بھی انسانی سوسائٹی مل کر کرتی ہے اس سے صحیح اور غلط فیصلے کا امتیاز ہو جاتا ہے۔[17]

۸۔ فقہی تفسیر:

مولانا سندھیؒ آیات کی تفسیر میں آئمہ کے اختلاف اور فقہ حنفی کی تایئد بھی فرماتے ہیں۔ مثلا سورہ توبہ: ۹:۲۷ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ؛

ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ‌ؕوَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔[18]

آیت(۲۷)ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ‌ؕوَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ:انہوں نے جب کفر کے بعد توبہ کر لی تو اللہ کی رحمت (آیت نمبر ۲۵ کہ باوجود اقلیت کے اللہ نے مدد دی) نازل ہوئی۔ اب اسلامی قانون کی پیروی کرنے سے جو برکتیں مسلمانوں پر نازل ہوتی ہیں ان میں یہ بھی شریک ہیں کیونکہ کام تو آگے کرنا ہے یعنی "حنین" کے بعد جو کام ہے وہ بڑا کام ہے تو یہ جماعت بھی اس کام میں شریک ہو کر اللہ کی رحمت حاصل کر سکتی ہے۔

غرض اس میں بتلایا کہ تم صرف قانون الہٰی اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے لڑو اور قومیت کا خیال تک ترک کر دو اس سے ترقی مسدود ہو جاتی ہے۔[19]

[17] المقام المحمود،ج۱،ص:۴۸۹

[18] التوبہ:۹:۲۷

[19] المقام المحمود،ج۱،ص:۶۱۰

مکہ کی زمین کی ملکیت کے متعلق امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کا اختلاف

امام شافعیؒ اسلامی قانون کے ایک بہت بڑے حکیم ہیں ان کے نزدیک اگر مسلمان کسی قوم کو لڑ کر اپنا مطیع کریں اور وہ قوم پہلے جزیہ دیتی رہی ہو تب بھی ان پر جزیہ بدستور رہیگا اور وہ ہتھیار لے کر مسلمانوں کے دوش بدوش کسی جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے۔ اگر یہ مسلمان بھی ہو جائیں تب بھی مسلمان ہونے کے باوجود ان پر جزیہ بدستور قائم رہے گا انہیں جزیہ سے معاف نہیں کیا جائے گا اس کا مطلب یہ ہوا کہ (امام شافعی) عربوں نے اس قوم کو اسلام کا حقیقی درجہ ہی نہیں دیا۔ اس کا اسلامی تعلیم سے کوئی واسطہ ہی نہیں جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتا تھا اس پر عمل کرنا چاہئے اس بناء پر امام ابو حنیفہؒ نے اس کے ماننے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ انہیں اسے برابر کا درجہ دینا ہوگا اور اس سے جزیہ وغیرہ لینا بھی بند کرنا پڑے گا کیونکہ اب وہ مسلمان ہو گیا ہے اور اسلامی سوسائٹی میں اس کا درجہ مساوی ہے ذوالقربی سے بنو ہاشم مراد لیتے ہیں وہ انفال کو پانچ حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اور پھر ان میں سے ہر ایک حصے کو پانچ حصوں مین تقسیم کرتے ہیں اور ایک حصہ ان میں سے بنی ہاشم (ذی القربی) کے لئے مخصوص کرتے ہیں۔ حالانکہ بنو ہاشم نے اس جنگ میں کوئی خدمت نہیں کی اس واسطے امام ابو حنیفہؒ اس کا انکار کرتے ہیں (آیت (۲۵) سورۃ الحج کے مطابق بلد الامین (مکہ مکرمہ) کی تمام زمین وقف ہے اس جگہ وہ آدمی اپنی ضرورت کے مطابق گھر بنا سکتے ہیں جو اس گھر کی اور اس جگہ آنے والوں کی خدمت کر سکیں اس سے زیادہ جگہ وہ اپنے واسطے نہیں رکھ سکتے بلکہ وہ زائرین کے لئے وقف رہے گی اور اس جگہ آنے والوں سے کسی قسم کا مکان کا یا کسی اور قسم کا کرایہ نہیں لیا جا سکتا۔ اس کے متعلق سورۃ الحج میں مفصل بحث کی گئی ہے۔

مگر امام شافعیؒ اس جگہ کی زمین کو ملکیت قرار دیتے ہیں اور اس پر مکان بنا کر اس کا کرایہ جائز سمجھتے ہیں، غرض امام شافعیؒ نے اس طرح عربوں کا تفوق قرار دیا یہ ان کی اجتہادی غلطیاں ہیں۔

اس طرح ان کی قومیت دوسری قوموں کے لئے دروازہ کھلا نہیں رکھتی اور اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں اگر دوسری قوموں کے لئے دروازہ کھلا رہے اور جو قوم اس جگہ آئے اسے مساوی درجہ دیا جائے تو یہی قومیت بین الاقوامی بن جاتی ہے اور اسلام کا مرکز قرار پا جاتی ہے۔ غرض جس قانون پر قوم عرب مرتب ہوئی ہے اس قانون پر جو قوم ایمان لائے وہ پہلی قوم کی مانند

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

مساوی درجہ پر رہے گی اور یہی اسلام ہے اور اس طرح دوسری وہ قوموں کا مساوی درجہ تسلیم کرنے سے قومیت کے بجائے بین القوامیت ہو جائے گی۔[20]

۹۔ انقلابی تفسیر:

مولانا سندھیؒ جگہ جگہ آیات کی تفسیر انقلابی طرز پر کرتے ہیں اور مسلمانوں کو مسلسل جدوجہد کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ مثلاً سورہ آل عمران:۳:۱۸۳ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ؛

"اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭقُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْھُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ"۔[21]

آیت (۱۸۳) اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ: اب جب کہ اس قسم کی عالمگیر انقلابی تحریک پیدا کی گئی جو اسلام کے ذریعہ دی گئی تو ضروری ہے کہ اس کے مد مقابل بھی ایک مخالف پارٹی ہو اور وہ اس عالمگیر پارٹی میں نہ آنے کیلئے ایسے بودے اور فضول بہانے بناتی ہو۔

اساسی اصولوں میں اتفاق ایک دین کی علامت ہے فروعی اختلاف وقت اور حالت کی وجہ سے ہوتا ہے

موسوی قانون میں تھا کہ جس قربانی کو آگ کھا جاتی اسے مقبول بارگاہ سمجھا جاتا۔ اب یہود بھی اس قربانی کا اصرار کرتے تھے کہ حضور ﷺ بھی ایسی قربانی کی تعلیم دیں جس کو آگ سیاہ کر دے، جس کا یہ مطلب تھا کہ نبی کی آمد کے متعلق پہلے انبیاء شہادت دیتے چلے آئے ہیں۔ تو وہ بنی اسرائیل میں سے ہو، کیونکہ قربانی سوختنی (جلانے کے لائق) یہ کرتے ہیں اور آنحضرت ﷺ تو قربانی کے گوشت کو کھانے کا حکم دیتے ہیں۔

بنی اسرائیل کا اس سے یہ مقصد تھا کہ موسوی قانون کو دنیا میں دوبارہ زندہ کریں، حالانکہ زندہ کرنے کا یہ معنی ہے کہ اساسی اصول میں وہ متفق ہوں نہ جزیات میں، جیسے حنفی و شافعی اساسی اصول میں متفق ہیں اور فروعی اور مجتہد فیہ مسائل میں جزوی اختلاف ہے، اسلئے اسکو ایک مذہب کہا جاتا ہے اور جو بنی اسرائیل کے ساتھ وعدہ تھا۔

---

[20] المقام المحمود، ج۱، ص:۶۱۲

[21] آل عمران:۳:۱۸۳

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

وہ صرف یہی تھا کہ ان کی برادری میں سے وہ نبی ہو گا یعنی بنی اسماعیل اور وہ نبی مثیل موسیٰ علیہ السلام ہو گا۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ بنی اسماعیل سے ہو گا، اور موسوی قانون کا ہی صرف تابع نہ ہو گا بلکہ وہ قانون الٰہی کو مکمل صورت میں پیش کرے گا۔[22]

۱۰۔ سائنسی تفسیر:

مولانا سندھیؒ سورہ الاعراف: ۷:۱۱ کی سائنسی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ؛

"وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَآئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَۖ فَسَجَدُوٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السَّاجِدِيْنَ"۔[23]

انسانی پیدائش کی سائنسی تفسیر

آیت (۱۱) وَ لَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَآئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَۖ:

یہ ایک مثال دے کر سمجھایا گیا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے تفہیمات میں اپنے مکاشفہ میں اس کا اس طرح ذکر کیا ہے یعنی مادہ اپنی صورت تبدیل کرتا کرتا اخیر نوبت انسان پر جا کر ختم ہوا یہ مادہ کا آخری ارتقا ہے نہ یہ کہ انسان حیوانوں سے ترقی کر کے اس صورت میں آیا ہے۔

مثلاً پہلے ایک درخت لیجئے وہ ایک جگہ پر کھڑا رہتا ہے اور پانی اور ہوا سے پرورش پاتا ہے اور دن بدن ترقی کرتا رہتا ہے اس کے ایک عرصہ بعد اس قدر انقلاب پیدا ہوا کہ یہ ایک ارتقائی سفر کرتے کرتے حیوانوں کی صورت میں پیدا ہوا جو نباتات کی مانند پانی اور ہوا سے فائدہ اٹھاتے ہیں مگر یہ نباتات سے ترقی کر کے چلنے پھرنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد پھر انقلاب ہوا اور انسان پیدا ہوا جس کے بدن پر حیوان کی طرح بال نہیں ہیں اس لئے اسے بدن ڈھانپنے کے لئے کپڑے کی ضرورت ہے، انسان سیدھا کھڑا ہو سکتا ہے اور حیوان سیدھا کھڑا نہیں ہو سکتا۔ انسان دماغ رکھتا ہے جس سے سوچتا ہے اس سے پھر ہر ایک چیز سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ پہلی دونوں حالتیں تو ارتقائی ہیں کہ آہستہ آہستہ ترقی کر کے اس مرتبہ تک پہنچیں، مگر انسان کی ارتقائی کیفیت انقلابی ہے کہ علت و معلول یعنی وجہ اور سبب ساتھ ساتھ ہیں اور ان کے ساتھ کی وجہ سے ان کی بہت جلد ترقی ہو جاتی ہے۔

---

[22] المقام المحمود، ج ۱، ص: ۲۲۲

[23] الاعراف: ۷:۱۱

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

پہلی دونوں صورتیں ماڈریٹ کی مانند ہیں جو آہستہ آہستہ ترقی کے خواہاں ہیں اور آخری صورت ایکسٹریمسٹ یعنی انتہا پسندوں کی ہے کہ جو فی الفور ترقی چاہتے ہیں۔ پہلی دونوں صورتیں آہستہ آہستہ ترقی کرنے والی ہیں جیسے یورپ میں جنگ عمومی سے پہلے عورتوں نے اپنے حقوق لینے کے لیے انتہائی کوششیں کیں مگر کامیاب نہیں ہوسکیں مگر آخر ایسے سامان پیدا ہو گئے کہ یورپ کی حکومت کو طبقہ نسواں کو تمام حقوق دینے پڑے۔ جنگ عمومی میں مردوں کے جنگی محاذ پر جانے کے باعث طبقہ نسواں نے ہر شعبہ زندگی میں کام کیا ہسپتالوں میں نرس کا کام وہ کر رہی ہیں کارخانوں میں ہر ایک قسم کے سامان وہ تیار کر رہی ہیں مختلف محکموں میں ملازم ہو کر وہ خدمت بجالائیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومتوں کو طبقہ نسواں کو حقوق دینے پڑے، یہی حالت ہے ترقی کے آخری طبقہ یعنی انسان کی۔

غرض اس انقلاب کے بعد جو پہلا انسان پیدا ہوا اس کا نام آدم ہے آدم کا مطلب ہے "آتم" بمعنی روح۔ اصلی لفظ سنسکرت زبان میں آتا ہے مگر جب یہ لفظ عبرانی زبان میں آیا تو آتم کی بجائے آدم بولا گیا۔ اگر اسے حیوانیت میں بتایا جائے تو یہ فرشتہ یعنی روح ہے اور اس صورت میں حیوان نہیں رہتا۔ میں تو یہ عام حیوانوں کی نسبت جس میں چرند پرند وغیرہ شامل ہیں، انسان دو الگ چیزیں قائم کرے گا اور ان سے اجتماعی قوت پیدا کرے گا۔[24]

۱۱۔ نظم قرآن میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا نظریہ:

مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں کہ؛"جہاں تک میری اپنی کاوش کا تعلق ہے، تو ابتدا ہی سے میری توجہ قرآن کی آیات اور سورتوں کے باہمی ربط و نظم پر مرکوز رہی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس سلسلے میں بہت سے لطیف نکات میرے سامنے آتے گئے۔ ایک بار میں نے ان نکات کا ذکر مولانا شیخ الہند سے کیا، تو حضرت نے اس ضمن میں چند نادر فوائد سے مجھے آگاہ فرمایا۔ مثال کے طور پر، ایک مقام پر قرآن میں ایک غزوہ کے ذکر کے دوران سود (ربا) کی حرمت کا بیان آ جاتا ہے۔ مولانا نے اس مقام پر سود کے مضمون اور غزوے کی کیفیت کے درمیان ایسا نکتہ ربط بیان فرمایا، جو دیگر تفاسیر میں دکھائی نہیں دیتا۔ مولوی احمد علی صاحبؒ نے بھی اس نکتہ کو مجھ سے سن کر اپنے قرآن کے حاشیے میں درج کر لیا۔ شیخ الہندؒ کا ارشاد تھا کہ جن لوگوں نے ربطِ آیات پر

---

24 المقام المحمود، ج۱، ص:۴۷۷

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

گفتگو کی ہے، ان کی بحث اس قدر سطحی ہے کہ بہتر ہوتا وہ اس میدان میں قدم ہی نہ رکھتے۔ البتہ چونکہ یہ ایک نہایت اہم موضوع ہے اور اس پر گہری توجہ اور طویل وقت درکار ہے، اسی لیے حضرت خود اس پر تفصیل سے کام نہ کر سکے۔ میری ربطِ قرآن میں دلچسپی کی ابتدا اس وقت ہوئی جب میں جلال الدین سیوطیؒ کی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" کا مطالعہ کر رہا تھا۔

وہاں قاضی ابو بکر ابن العربی کا قول نظر سے گزرا:

"ہم نے آیات کے ربط کے ضمن میں بڑے بڑے علوم کا خزانہ پایا، مگر جب دیکھا کہ لوگ ان کے طلبگار نہیں، تو ہم نے بھی اس سے رخ موڑ لیا۔" اس قول نے میرے دل میں ایک نئی جستجو پیدا کی۔ چنانچہ میں تقریباً چالیس برس سے آیات کے ربط پر غور و فکر کر رہا ہوں۔ میں نے شاہ ولی اللہؒ کی حکمت کو سامنے رکھ کر قرآن کے کچھ مرکزی مقاصد متعین کیے، اور ان کی روشنی میں ہر سورہ کے لیے ایک خاص موضوع اور اس کے اندر مضامین کی ترتیب متعین کی۔ اس طریقے سے مجھے سورتوں کے مابین تسلسل قائم کرنے میں کامیابی ملی"۔[25]

مولانا سندھیؒ مزید فرماتے ہیں کہ:" قرآنی تدبر میں مجھے شاہ ولی اللہؒ کے سوا کسی اور حکیم کی فکر سے رہنمائی لینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ میں نے جو کچھ قرآن سے اخذ کیا اور جن معانی کو مستنبط کیا، ان کی تعیین اور تائید کے لیے شاہ صاحب کی حکمت میرے لیے کافی رہی۔ جہاں کہیں میری تفسیر کا زاویہ عام مفسرین سے مختلف ہے، وہاں میں نے شاہ ولی اللہؒ کے اصولوں کو اپنے لیے سند قرار دیا۔ بعض مواقع پر شاہ عبد العزیزؒ، شاہ رفیع الدینؒ، مولانا اسماعیل شہیدؒ اور مولانا محمد قاسمؒ کے اقوال کو حجت بنایا ہے۔ اور بہت کم ایسا ہوا ہے کہ میں نے محض اپنی رائے کی بنیاد پر مفسرین سے اختلاف کیا ہو۔ ایسے مقامات پر میں صاف لفظوں میں بتا دیتا ہوں کہ یہ میری ذاتی تحقیق ہے، جسے قبول کرنا یا نہ کرنا سننے والے کی صوابدید ہے۔ البتہ جب کہیں

[25] مولانا سندھی، عبید اللہ، شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، طبع ۲۰۰۲ء، ص:۸۶

آئمہ اور اکابر علما کی سند سے آیات کے درمیان ربط و تناسب واضح ہو جائے، تو میری خواہش ہوتی ہے کہ اہل علم اس سے صرفِ نظر نہ کریں۔[26]

تفسیر تدبر قرآن کا منہج

تفسیر "تدبر قرآن" کا تعارف:

مولانا اصلاحیؒ نے اپنی تفسیر "تدبر قرآن" اپنے استاد "مولانا حمید الدین فراہیؒ" کے فکری اصولوں کے مطابق لکھی۔ ان کے نزدیک قرآن کریم ایک منظوم و مربوط کتاب ہے۔ ہر سورت کا ایک مرکزی مضمون یعنی "عمود" ہے۔ ان کے نزدیک آیات کی ترتیب، کلمات کی تقدیم و تاخیر، اور سورتوں کی ترتیب سے ایک جامع ہدایت کا نظام واضح ہوتا ہے۔

یہ تفسیر نو جلدوں پر مشتمل ہے اور ادارہ فاران فاؤنڈیشن لاہور سے پہلی مرتبہ ۱۹۸۳ء میں طبع ہوئی۔ مولانا امین احسن اصلاحی تدبر قرآن میں اپنے تفسیری اصولوں کو دو طرح واضح کرتے ہیں:

(۱) فہم قرآن کے داخلی وسائل (۲) فہم قرآن کے خارجی وسائل۔

داخلی وسائل میں جن عناصر کو شامل کیا ہے، اُن میں: قرآن کی زبان، نظم، جب کہ **خارجی وسائل** میں: سنت متواترہ و مشہور احادیث، آثار صحابہ شانِ نزول، کتب تفسیر اور قدیم آسمانی صحیفوں کو شامل کیا ہے۔

فہم قرآن کے داخلی وسائل

قرآن کی زبان:

اس بحث میں مولانا نے قرآن کی زبان یعنی عربی زبان کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ یہ وہ عربی زبان تھی جو اہل قریش بولا کرتے تھے یعنی خالص عربی زبان۔ قرآن کی زبان کی فصاحت و بلاغت کی اہمیت کو مولانا نے جاہلیت کے مشہور شاعر لبید کے واقعہ سے واضح کیا ہے، مولانا اصلاحیؒ لکھتے ہیں کہ؛

[26] شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، ص:۸٦

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

"شعرائے سبعہ معلقہ میں لبید آخری شاعر ہیں ان کے ایک شعر پر سوق عکاز میں تمام شعرائے وقت نے ان کو سجدہ کیا اور عرب کی روایت کے مطابق اعزاز کے طور پر ان کا قصیدہ خانہ کعبہ پر آویزاں کیا گیا۔۔۔ جو شاعر تمام عرب شعراء کا مسجود، وقت کا ملک الشعراء اور عرب کی فصاحت و بلاغت کا مظہر کامل ہو اس کے یوں ترک شعر پر لوگوں کو بڑا تعجب ہوا۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ اب آپ شعر نہیں کہتے؟ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا: ابعد القرآن ؟ کیا قرآن کے نازل ہو جانے کے بعد اس کے لئے کوئی شعر کہنے کی گنجائش ہے۔"[27]

کلام عرب کی اہمیت :

مولانا نے قرآن کو سمجھنے کے لیے کلام عرب کو سمجھنے پر زور دیا ہے۔ اس حوالے سے آپ اپنی تفسیر کے مقدمے میں جو فرماتے ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ؛

" قرآن فہمی کے ضمن میں ایک بڑا چیلنج یہ ہے کہ وہ عربی زبان، جس میں قرآن نازل ہوا، اب اپنی اصل صورت میں کہیں بولی نہیں جاتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ انسان عہدِ جاہلیت کے اشعار اور ادبی روایات کا مطالعہ کرے تاکہ اس دور کے ذوقِ سخن اور حسن و قبح کو سمجھ سکے۔ یہ فہم محض لسانی اور اسلوبی سطح تک محدود نہیں بلکہ اس کے لیے عربوں کی معاشرت، ان کے رائج اقدار، خیر و شر کے پیمانے، سماجی و سیاسی رجحانات، روزمرہ کی دلچسپیاں اور عمومی طرزِ زندگی سے واقفیت بھی لازم ہے۔ ان تمام پہلوؤں کو سمجھنے کا معتبر ذریعہ ان کا کلاسیکی ادب ہے، جو ایسی بصیرت فراہم کرتا ہے جو کسی اور ذریعے سے حاصل نہیں کی جا سکتی"[28]

ایک تو یہ کہ ہر آیت کے الفاظ کی آپ لغوی تحقیق بیان کرتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ آپ الفاظ کی تشریح میں عرب شعراء کے اشعار سے بھی بیان کرتے ہیں۔

---

[27] اصلاحی، امین احسن، مولانا، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، طبع:۲۰۰۹، ج۱، ص:۱۴

[28] ایضا، ج۱، ص:۱۵، ۱۶

مثال:

"وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ"۔[29]

آپ اس آیت کی تفسیر میں عرب ادباء کے اشعار یوں بیان کرتے ہیں؛

" سورۃ البقرہ کی آیت ۲ کی تفسیر میں 'صلوات' پر پہلے روشنی ڈالی جاچکی ہے، لہٰذا یہاں ہم 'صبر' کے مفہوم تک محدود رہیں گے۔ عربی زبان میں 'صبر' کے بنیادی معنی ہیں: کسی چیز کو روکنا یا قابو میں رکھنا، خاص طور پر نفس کو اضطراب، مایوسی اور بے حوصلگی سے بچا کر ثابت قدمی سے اپنے موقف پر قائم رکھنا۔ قرآن مجید میں یہ مفہوم اور بھی بلند تر انداز میں ظاہر ہوا ہے، جہاں صبر کا مطلب یہ ہے کہ بندہ پوری قلبی اطمینان کے ساتھ اللہ کے وعدوں پر اعتماد کرے اور اس کے راستے میں آنے والی آزمائشوں کو خندہ پیشانی سے جھیلنے کا حوصلہ رکھے۔

عام طور پر لوگ صبر کو کمزوری یا بے بسی سے تعبیر کرتے ہیں، حالانکہ عربی لغت اور قرآنی استعمالات میں اس کا مطلب بالکل مختلف ہے۔ امام صاحب نے سورۃ العصر کی تفسیر میں واضح کیا ہے کہ عربوں کے ہاں صبر کسی بے اختیار انسان کی خاموشی یا مجبوری کا نام نہیں، بلکہ یہ حوصلے، ارادے اور مضبوطی کا مظہر ہے۔ عربی ادب میں اس لفظ کا استعمال اس کی اسی معنوی وسعت کی نشان دہی کرتا ہے۔ حاتم طائی کا ایک قول اس حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے۔

"وغمرة موت ليس فيه هوادة　　　يكون صدور الشر في جسورها"

ترجمہ: "اور موت وہلاکت کے کتنے ہولناک دریا ہیں جن پر تلواروں کے پل ہیں"۔

"صبر ناله في نهكها ومصابها　　　باسيا فنا حتى يبوم سعيرها"

ترجمہ: "ہم نے ان کے تمام آفات و شدائد کے مقابل اپنی تلواروں کے ساتھ ثابت قدمی دکھلائی، یہاں تک کہ وہ ٹھنڈے پڑ گئے"۔[30]

---

[29] البقرہ:۲:۴۵

[30] تدبر قرآن، ج۱، ص:۱۸۸،۱۸۹

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

نظم القرآن :

فہم قرآن کے داخلی عناصر میں مولانا نے قرآن مجید کے جس چھپے ہوئے موتی کو واضح کیا ہے، وہ ہے قرآن کا نظم۔ نظم کے معنی ہیں ایک آیت کا دوسری آیت ایک سورۃ کا دوسری سورۃ سے ربط و تعلق۔ مولانا نے ان لوگوں پر افسوس کا اظہار بھی کیا ہے جنہوں نے نظم کی اہمیت کو بالکل پس پشت ڈال دیا وہ لکھتے ہیں :

عجیب ستم ظریفی ہے کہ قرآن جس کو فصاحت و بلاغت کا معجزہ قرار دیا جاتا ہے اور جو فی الواقع معجزہ ہے بھی، ایک بہت بڑے گروہ کے نزدیک نظم سے بالکل خالی کتاب ہے۔ ان کے نزدیک نہ ایک سورۃ کا دوسری سورۃ سے کوئی ربط و تعلق ہے نہ ایک سورۃ کی مختلف آیات ہی میں باہم کوئی مناسبت و موافقت ہے۔ پس مختلف آیات مختلف سورتوں میں بغیر کسی مناسبت کے جمع کر دی گئیں ہیں۔[31]

مولانا یہ بھی مانتے ہیں کہ نظم قرآن کو حقیقت کے باوجود لوگوں نے اس میں نظم تلاش نہیں کی کیوں کہ یہ ایک کہنہ مشق کام ہے۔ اس کا سہرا مولانا اپنے استاد مولانا حمید الدین فراہیؒ کے سر باندھتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ؛

مولاناؒ نے اس نظریئے کے حق میں بہت عمدہ اور مؤثر دلائل پیش کیئے بہت سی سورتوں کی ایسی تفسیر بیان کی کہ جنہیں پڑھ کر یہ حقیقت نمایاں ہو جاتی ہے کہ ہر سورۃ ایک خوبصورت نظم کے دلکش سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے۔ آگے چل کر انہوں نے 'نظمِ قرآن' کی اہمیت کو اور زیادہ وضاحت سے بیان کیا۔ ان کے مطابق، قرآن مجید کے اندر نظم کی موجودگی سے انکار کرنا دراصل قرآن کی معنوی عظمت پر زیادتی کے مترادف ہے۔ نیز، وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ قرآن کے گہرے معانی اور حکمتوں کا اصل سرچشمہ اسی نظم میں پنہاں ہے"۔[32]

نظم قرآن کی امثلہ چاہے وہ سورتوں میں ربط ہو یا آیات میں ہمیں جگہ جگہ ان کی امثلہ تفسیر میں ملیں گی۔

---

[31] ایضاً، ج ۱، ص: ۱۷

[32] ایضاً، ج ۱، ص: ۱۹

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

تفسیر القرآن بالقرآن:

صحابۂ کرامؓ اور قرون اولی کے علماء قرآن کریم کی تفسیر قرآن ہی سے کرتے تھے۔ لیکن بعد میں آنے والے مفسرین قراان کریم کی تفسیر کو دیگر ذرائع سے بیان کرنے لگے۔ مولانا اصلاحیؒ نے تفسیر القرآن بالقرآن کو قرآن کریم کے داخلی وسائل میں تیسرے درجے پر رکھاہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں ایک جگہ اگر بات اجمال کے ساتھ بیان ہوئی ہے تو دوسری جگہ اس کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ اگر اجمال میں بات سمجھ نہ آئے تو دوسری جگہ تفصیل میں بات سمجھ میں آجاتی ہے۔

مولانا اصلاحیؒ فرماتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ؛

" مولانا حمید الدین فراہیؒ نے اس نظریئے کے حق میں بہت عمدہ اور مؤثر دلائل پیش کیئے بہت سی سورتوں کی ایسی تفسیر بیان کی کہ جنہیں پڑھ کر یہ حقیقت نمایاں ہو جاتی ہے کہ ہر سورۃ ایک خوبصورت نظم کے دلکش سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے۔ آگے چل کر انہوں نے 'نظمِ قرآن' کی اہمیت کو اور زیادہ وضاحت سے بیان کیا۔ ان کے مطابق، قرآن مجید کے اندر نظم کی موجودگی سے انکار کرنا دراصل قرآن کی معنوی عظمت پر زیادتی کے مترادف ہے۔ نیز، وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ قرآن کے گہرے معانی اور حکمتوں کا اصل سرچشمہ اسی نظم میں پنہاں ہے۔۔[33]

مثال

"فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُۖ اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ "۔[34]

وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ: یہ الفاظ اُس دوزخی آگ کی فطرت کو بیان کرتے ہیں، جس سے قرآن نے انکار کرنے والوں کو خبردار کیا ہے۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس آگ کا سب سے پہلا ایندھن وہ انسان ہوں گے جن کے اندر کفر اور شرک کی آلودگی موجود ہوگی۔ اسی آلودگی سے یہ آگ اپنی شدت اور اصل صورت میں بھڑکے گی۔ دوسرے درجے میں، اس آگ کا ایندھن وہ پتھر ہوں گے جنہیں دنیا میں معبود سمجھ کر پوجا گیا یا اب بھی پوجا جارہاہے۔ کیونکہ ان پتھروں پر کی جانے والی

[33] تدبر قرآن، ج ا، ص: ۲۸

[34] البقرہ: ۲: ۲۴

پرستش کے باعث شرک کا وہ آتش گیر اثر ان میں بھی سرایت کر چکا ہوتا ہے، جو اس آگ کے لیے ساز گار ایندھن بن جاتا ہے--

الْحِجَارَةُ: اگرچہ یہ لفظ اپنے عموم کے اعتبار سے تمام پتھروں پر دلالت کرتا ہے، لیکن سیاق وسباق سے واضح ہوتا ہے کہ مراد وہی مخصوص تراشے گئے پتھر ہیں جنہیں دیوی دیوتا کا درجہ دے کر پوجا جاتا تھا۔ ان پتھروں کو جہنم میں ڈالنے کا مقصد یہ نہیں کہ انہیں سزا دی جائے، بلکہ اصل مقصد ان کے پجاریوں کے عذاب کو اور زیادہ دردناک بنانا ہے۔ انہیں دکھایا جائے گا کہ جن کے سامنے وہ دنیا میں سجدہ ریز ہوتے تھے، جن کے لیے نذرانے اور لذیذ پکوان پیش کرتے تھے، وہ آج کس ذلت ورسوائی کا شکار ہیں۔ درحقیقت، کفریہ علامات کی توہین سے مراد خود کفر کی تحقیر ہوتی ہے، اور اس حقیقت کو قرآن مجید نے ایک اور مقام پر صراحت سے بیان بھی کر دیا ہے۔" (اس عبارت میں مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ اصل عبارت نیچے دیئے گئے حوالے پر جا کر دیکھی جا سکتی ہے۔)

"اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ۔لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَاۤءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا وَكُلٌّ فِيْهَا خَالِدُوْنَ" -[35]

ترجمہ: "تم اور وہ چیزیں جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ تم سب کو اس میں جانا ہو گا اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو جہنم میں نہ پڑتے اور تم سب اس میں ہمیشہ رہو گے"۔[36]

فہم قرآن کے داخلی وسائل کا خلاصہ:

۱۔ قرآن مجید کا نزول جس زبان میں نازل ہوا تھا وہ قریش مکہ کی زبان تھی۔ یعنی یہ وہ زبان نہیں جو آج کل کے اخبارات میں لکھی جاتی ہے۔ ۲۔ قرآن مجید کا ایک نظم ہے یعنی ایک سورۃ و آیت کا دوسری سورۃ و آیت سے ایک ربط و تعلق ہے۔
۳۔ بعض لوگوں نے قرآن مجید کو نظم سے بالکل خالی کہا۔ ۴۔ نظم نہ ماننے کی وجہ سے لوگوں نے قرآنی آیات کو اپنے مطلب میں ڈھالنے کی کوششیں کی۔ ۵۔ قرآن کو سمجھنے کے لیے کلام عرب کا جاننا ضروری ہے۔

[35] الانبیاء:۹۸،۹۹
[36] تدبر قرآن،ج۱،ص:۱۳۹

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

فہم قرآن کے خارجی وسائل

ا۔ سنت متواترہ مشہورہ

مولانا اصلاحیؒ فرماتے ہیں کہ: "قرآن مجید کی اصطلاحات صلوۃ، زکوۃ، روزہ، حج، قربانی، مسجد حرام اور صفاو مروہ وغیرہ سے متعلق مولانا نے ان کی تفسیر تقریباً سنت متواترہ کی رہنمائی میں کی ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید اور شریعت کی اصطلاحات کی وضاحت کا حق صرف صاحب وحی حضرت محمد ﷺ ہی کو ہے۔

سنت متواترہ کی قطعیت ان الفاظ میں کرتے ہیں :

سو جہاں تک معروف دینی اصطلاحات کا تعلق ہے یہ سوال کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ اس لیے اس قسم کی ساری اصطلاحات کا حقیقی مفہوم بالکل عملی شکل میں سنت متواترہ کے اندر محفوظ کر دیا گیا ہے۔۔۔ پانچ وقت کی نمازیں سب جانتے ہیں اور مانتے ہیں جس قطعیت کے ساتھ قرآن کو جانتے اور مانتے ہیں۔ رہا بعض جزوی امور میں کوئی فرق تو یہ فرق کوئی اہمیت رکھنے والی شے نہیں ہے۔۔۔ منکرین حدیث کی یہ جسارت کہ وہ صوم و صلوۃ، حج و زکوۃ اور عمرہ و قربانی کا مفہوم بھی اپنے جی سے بیان کرتے ہیں۔۔۔ صریحاً قرآن مجید کے انکار کے مترادف ہے۔۔۔[37]

ان دینی اصطلاحات کے بارے میں فراہیؒ اپنے مقدمہ تفسیر میں جو فرمایا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ:

"اسی طرح شریعت کی تمام بنیادی اصطلاحات جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، مسجدِ حرام، صفاومروہ اور مناسکِ حج، نیز ان سے متعلق تمام عبادات و اعمال نسل در نسل منتقل ہوتے چلے آئے ہیں اور امت میں محفوظ رہے ہیں۔ ان میں اگر کہیں معمولی اختلافات موجود بھی ہیں تو وہ اتنے غیر اہم ہیں کہ ان پر توجہ دینا ضروری نہیں۔ جس طرح ہر شخص 'شیر' کے مفہوم سے واقف ہے، خواہ مختلف علاقوں میں شیر کی شکل و صورت میں تھوڑا بہت فرق ہو، اسی طرح نماز کی اصل حقیقت بھی وہی ہے جو امت مسلمہ صدیوں سے ادا کرتی آئی ہے اگرچہ اس کی ادائیگی کے ظاہری انداز میں کچھ جزئی اختلافات پائے جاسکتے ہیں۔ جو لوگ اس نوع کے معمولی فرق کو غیر ضروری حد تک موضوعِ بحث بناتے ہیں، وہ دراصل اُس سیدھی اور معتدل راہ سے ناآشنا ہیں جس کی

[37] ایضا، ج ا، ص: ۲۹

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

رہنمائی قرآن نے کی ہے۔۔۔ لہٰذا جب کسی ایسے شرعی اصطلاحی لفظ سے واسطہ پڑے، جس کی مکمل وضاحت قرآن میں نہ کی گئی ہو، تو دانشمندی یہی ہے کہ اس حد تک اس پر عمل کیا جائے جس پر پوری امت کا اتفاق ہے، اور ان باتوں پر زیادہ زور نہ دیا جائے جو صرف اخبارِ آحاد سے ثابت ہوں۔ ورنہ انسان خود بھی تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے اور دوسروں کے اعمال پر بھی بلاوجہ اعتراض کرنے لگتا ہے۔ اس صورت میں کوئی ایسی بنیاد باقی نہیں رہتی جو ان اختلافات کو ختم کر کے فیصلہ کن بات طے کر سکے۔"[38]

احادیث و آثار صحابہ :

مولانا امین احسن اصلاحی نے احادیث کو تفسیر کے ظنی ماخذوں میں شمار کیا ہے۔ اس کے برعکس بحیثیت مجموعی مفسرین احادیث کو تفسیر کے اصلی ماخذ میں شمار کرتے ہیں۔ تمام مفسرین کرام باشمول، ابن کثیر سب نے حدیث کی قطعیت کو ثابت کیا اور ساتھ ہی اپنے تفسیری اصول میں حدیث کو اصلی ماخذ قرار دیا ہے۔

مولانا لکھتے ہیں کہ:

اگر ان کی صحت کی طرف سے پورا پورا اطمینان ہوتا تو تفسیر میں ان کی وہی اہمیت ہوتی جو اہمیت سنت متواترہ کی بیان ہوئی ہے لیکن ان کی صحت پر اس طرح کا اطمینان چونکہ نہیں کیا جا سکتا اس وجہ سے ان سے اسی حد تک فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے جس حد تک یہ ان قطعی اصولوں سے موافق ہوں جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ وہ لوگ جو احادیث اور آثار کو اس درجہ دے دیتے ہیں کہ انہیں قرآن پر بھی فوقیت دینے لگتے ہیں، دراصل نہ قرآن کے مقام سے واقف ہیں اور نہ ہی حدیث کی اصل حیثیت کو سمجھتے ہیں۔ دوسری جانب، جو افراد احادیث و آثار کو کلیتاً ناقابلِ اعتبار قرار دیتے ہیں اور یوں وہ اپنے آپ کو اس روشنی سے محروم کر لیتے ہیں جو قرآن کریم کے بعد سب سے بڑی روحانی اور علمی دولت ہے۔ میری رائے میں احادیث کی بنیاد بھی قرآن ہی پر ہے، اسی لیے میں نے صرف ان احادیث سے استفادہ پر اکتفا نہیں کیا جو کسی آیت سے براہِ راست تعلق رکھتی ہیں، بلکہ اپنی استطاعت کے مطابق پورے حدیثی ذخیرے سے رہنمائی حاصل کی ہے۔ خصوصاً قرآن کی حکمت سے متعلق مسائل میں مجھے احادیث سے جو بصیرت ملی ہے، وہ کسی اور ذریعے سے حاصل نہیں ہوئی۔ البتہ اگر کوئی حدیث ایسی سامنے آئی جو بظاہر قرآن سے متصادم

---

[38] تدبر قرآن، ج ۱، ص: ۳۰

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

محسوس ہوئی، تو میں نے اس پر فوری فیصلہ نہیں کیا بلکہ اس پر غور و فکر کیا ہے، اور تبھی اس سے گریز کیا ہے جب مجھے پوری طرح یقین ہو گیا کہ اس حدیث کو قبول کرنا یا تو قرآن کے مفہوم کے خلاف جاتا ہے یا دین کے کسی بنیادی اصول سے ٹکراتا ہے۔[39]

لہذا مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر کا بحیثیت مجموعی جائزہ لیا جائے تو وہ اپنی تفسیر میں اتنی احادیث لے کر آئے ہیں کہ جن کو انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زیادہ انحصار کلام عرب پر ہی کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اسلاف ذخیرۂ حدیث کو قطعی ماخذ مانتے ہیں، اگرچہ تفسیری روایات کی صحت پر ہمیشہ سے بحث چلی آرہی ہے لیکن مجموعی طور پر کسی بھی مفسر کے نزدیک حدیث ظنی ماخذ نہیں رہا۔

۲۔شان نزول

مولانا اصلاحیؒ فرماتے ہیں کہ؛" شان نزول سے متعلق میرا جو مسلک ہے اور جس کی میں نے اس کتاب میں پیروی کی ہے وہ میں نے اپنے استاذ مولانا فراہی کے الفاظ میں بیان کئے دیتا ہوں"۔ مولانا اپنی تفسیر کے مقدمے میں شان نزول سے متعلق لکھتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ؛

بعض لوگ شانِ نزول کا مطلب غلط انداز میں یہ لیتے ہیں کہ کوئی مخصوص واقعہ یا سبب براہِ راست کسی آیت یا سورہ کے نزول کا باعث بنا، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ شانِ نزول سے مراد وہ حالات و کیفیات ہوتے ہیں جن پر یہ آیات موقع و محل کے لحاظ سے منطبق ہوتی ہیں۔ قرآن کی کوئی سورت ایسی نہیں ہے جو کسی پس منظر یا خاص مسئلے کو مد نظر رکھے بغیر نازل ہوئی ہو۔ وہ امور جنہیں پیشِ نظر رکھ کر کسی سورہ میں کلام کیا گیا ہے، دراصل اُس سورہ کے مرکزی مضمون سے ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ لہٰذا شانِ نزول کو سمجھنے کے لیے سب سے بہتر ذریعہ خود قرآن اور اس کا داخلی نظم ہے۔

قدیم مفسرین کی تفاسیر میں شانِ نزول پر طویل بحثیں ملتی ہیں، جہاں ہر آیت کے لیے کوئی نہ کوئی سببِ نزول تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مستند اور غیر مستند روایات خلط ملط ہو گئیں۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ تدبرِ قرآن میں

---

[39] تدبر قرآن، ج۱، ص:۳۰

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

واضح کرتے ہیں کہ انہوں نے شانِ نزول کے حوالے سے محض انہی روایات کو اہمیت دی ہے جو قرآن کے نظم کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں۔

ان کے مطابق اگر انسان واقعی اطمینان اور یقین کا طالب ہے تو اسے قرآن کے نظم سے وابستہ رہ کر ہی شانِ نزول کو سمجھنا چاہیے۔ اگر وہ بغیر نظم کے صرف روایات کے پیچھے چلتا ہے، تو اس مسافر کی طرح اسکی مثال ہو جائے گی جو اندھیرے میں کسی چوراہے پر کھڑا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ کس سمت جانا ہے۔

میں نے بھی اسی اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے صرف اُن واقعات کو اہمیت دی ہے جن کی طرف قرآن میں براہِ راست یا بالواسطہ اشارہ موجود ہے۔ اور ان میں بھی صرف انہی باتوں کو اختیار کیا ہے جن کی تائید قرآن کے الفاظ یا سیاق و سباق سے ہو سکتی ہے۔[40]

یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ آیات کی تفسیر دیگر قرآن کریم کی آیات سے کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ آپ کا آیات یا سورتوں کی تفسیر میں شان نزول کا بیان کرنا نہ ہونے کے برابر ہے۔ مثال کے طور پر سورہ قدر اور سورہ فیل دیکھی جاسکتی ہے۔

کتب تفسیر

مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے اپنی اس تفسیر تدبر قرآن میں کتب تفسیر سے کم سے کم اخذ کیا ہے سلف کی نمائندہ تفاسیر کے مضامین کے مطالعہ کے بعد اگر کوئی ایسی ضرورت محسوس ہوئی تو اس کو اپنی تفسیر میں لیا ہے ورنہ اپنے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق ہی تفسیر بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ؛

"تفسیر کی کتابوں میں سے تین تفسیریں بالعموم میرے پیش نظر رہی ہیں۔ تفسیر ابن جریر، تفسیر ررازی، تفسیر زمخشری، اقوال سلف کا مجموعہ تفسیر ابن جریر ہے، متکلمین کی قیل و قال اور عقلی موشگافیاں تفسیر کبیر میں موجود ہیں، نحو و اعراب کے مسائل کشاف میں مل جاتے ہیں۔ یوں تو یہ تغییریں میرے فکر و مطالعہ کی زندگی کے آغاز ہی سے میرے پیش نظر رہی ہیں لیکن لکھتے وقت خاص طور پر میں نے ان پر ایک نظر ضرور ڈال لی ہے۔ ان کے علاوہ جو تفسیر کی کتابیں ہیں ان کی طرف میں نے صرف

[40] ایضا، ج ا، ص: ۳۲

اسی صورت میں رجوع کیا ہے جب کوئی ایسی اہم بات پیش آئی ہے جس کے لیے ہر اس گوشے کو ٹٹولنا پڑا ہے جہاں سے کسی رہنمائی کی امید ہوتی ہے۔۔۔"

اس کتاب میں تفسیروں کے حوالے بہت زیادہ نہیں ملیں گے صرف انہی مقامات میں ان کے حوالے میں نے دیے ہیں جہاں مسئلے کی اہمیت اسکی داعی ہوئی ہے یا قاری کے اطمینان کے نقطہ نظر سے حوالے کی ضرورت و اہمیت محسوس ہوئی ہے۔[41]

۳۔ قدیم آسمانی صحیفے

قرآن مجید میں جگہ جگہ قدیم آسمانی صحیفوں، تورات، زبور، انجیل کے حوالے ہیں بہت سے مقامات پر انبیائے بنی اسرائیل کی سر گزشتیں ہیں بعض جگہ یہود اور نصاری کی تحریفات کی تردید اور ان کی پیش کردہ تاریخ پر تنقید ہے۔ نزول قرآن سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی بھلائی کیلیے کتب اور صحیفے نازل فرمائے۔ ان کتب میں تورات، زبور، انجیل بہت اہمیت کی حامل ہیں۔ ان کی اہمیت قصص انبیاء میں دوچند ہو جاتی ہے۔ لیکن چونکہ ان کتابوں میں ان کے حاملین نے ردوبدل و تحریف کر دی ہے اب کسی مفسر کے لیے ضروری ہے کہ وہ درست اور غلط کی تمیز قرآنی مضامین کے حوالے سے جانچ پرکھ کرے۔ مولانا اصلاحی اپنے منہج تفسیر میں اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے ان کتب ساوی سے کس حد تک استفادہ کیا ہے۔

میں نے ان روایات پر اعتماد نہیں کیا ہے جو ہماری تفسیر کی کتابوں میں منقول ہیں یہ روایات زیادہ تر سنی سنائی باتوں پر مبنی ہیں۔ اس وجہ سے نہ تو یہ اہل کتاب پر حجت ہو سکتی ہیں اور نہ ان سے خود اپنے ہی دل کے اندر اطمینان پیدا ہوتا ہے۔ ایسے مواقع پر میں نے بحث و تنقید کی بنیاد اصل ماخذوں یعنی تورات و انجیل پر رکھی ہے جہاں قرآن سے موافقت ہے وہاں میں نے بیان کر دی ہے اور جہاں قرآن سے موافقت نہیں وہاں میں نے قرآن کریم کی قوت و حجت کو واضح کر دیا ہے۔[42]

مثال:

مولانا اصلاحیؒ سورہ بقرہ: ۵۹:۲ کی تفسیر میں آسمانی کتب کا حوالہ دیتے ہوئے یوں تفسیر کرتے ہیں کہ؛

[41] تدبر قرآن، ج ۱، ص: ۳۲

[42] تدبر قرآن، ج ۱، ص: ۳۳

"فَبَدَّلَ ٱلَّذِينَ ظَلَمُواْ قَوْلًا غَيْرَ ٱلَّذِى قِيلَ لَهُمْ فَأَنزَلْنَا عَلَى ٱلَّذِينَ ظَلَمُواْ رِجْزًا مِّنَ ٱلسَّمَآءِ بِمَا كَانُواْ يَفْسُقُونَ"۔[43]

ترجمہ:

"تو جن لوگون نے ظلم کیا انہوں نے اس بات کو جو ان سے کہی گئی تھی بدل دی اس بات سے جو ان سے نہیں کہی گئی پس جنھوں نے ظلم کیا ہم نے ان کی نافرمانی کے سبب ان پر عذاب نازل کیا"۔

"فَأَنزَلْنَا عَلَى ٱلَّذِينَ ظَلَمُواْ رِجْزًا مِّنَ ٱلسَّمَآءِ "رجز"اور"رجس"دراصل دونوں مشتق ہیں ایک ہی مادے سے،اور دونوں کا بنیادی مفہوم بے چینی اور اضطراب ہے۔اسی بنیاد پر یہ دونوں الفاظ نجاست اور گندگی کیلئے استعمال ہونے لگے،کیونکہ گندگی کے دیکھنے سے انسان کے اندر بے چینی پیدا ہوتی ہے۔بعد ازاں یہی الفاظ عذاب کے مفہوم میں بھی استعمال ہونے لگے، کیونکہ عذاب بھی انسان کے دل میں سخت اضطراب اور کپکپی کی حالت پیدا کر دیتا ہے۔

قرآن میں"مِّنَ ٱلسَّمَآءِ" (آسمان سے)کی تعبیر اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ یہ عذاب کسی معمولی حادثے یا عام نوعیت کے سانحے کی مانند نہ تھا،بلکہ اس کی نوعیت غیر معمولی اور غیر طبعی تھی۔اس میں قدرت کی جانب سے ایک خاص غضب اور انتقامی شان نمایاں تھی۔تورات میں بھی اس قسم کے ایک واقعے کی تفصیل ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے:

"اگر یہ لوگ عام انسانوں کی طرح مریں،یا ان پر اسی طرح سے عذاب آئیں جیسے سب پر آتے ہیں تو جان لو کہ میں خدا کا بھیجا ہوا نہیں ہوں لیکن اگر خدا کوئی نیا چمتکار دکھائے اور زمین خدا کے حکم سے اپنا منہ کھول کر ان کو اور ان کے گھر بار کو زندہ نگل لے اور وہ جیتے جی پاتال میں سما جائیں،تو تم جان لو کہ ان لوگوں نے خداوند کی تحقیر کی ہے۔"

(گنتی باب:١٦۔،آیت:٢٩۔٣٠)۔۔۔[44]

---

[43] البقرہ:٢:٥٩

[44] تدبر قرآن،ج١،ص:٢٢١

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

یہاں تدبر قرآن سے چند مثالیں درج ذیل ہیں:

"اَ لْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ"۔[45]

ترجمہ:

۱۔ مولانا فتح محمد جالندہری: سب طرح کی تعریف خدا ہی کو (سزاوار) ہے جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے۔[46]

۲۔ امام احمد رضا خان: سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا۔[47]

۳۔ مولانا سید ابوالاعلی مودودی: تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے۔[48]

۴۔ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی: ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔[49]

۵۔ ڈاکٹر اسرار احمد: کل شکر اور کل ثنا اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار اور مالک ہے۔[50]

۶۔ مفتی محمد تقی عثمانی: تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔[51]

۹۔ مولانا امین احسن اصلاحی: شکر کا سزاوار حقیقی اللہ ہے کائنات کا رب ہے۔

بحیثیت مجموعی تمام مفسرین کی اکثریت نے الحمد کا ترجمہ تعریف کیا ہے، لیکن مولانا امین احسن اصلاحی نے حمد کا ترجمہ "شکر" کیا ہے، اس کی وجہ مولانا اصلاحیؒ لکھتے ہیں کہ:

"حمد کا ترجمہ عام طور پر مترجمین نے تعریف کیا ہے جبکہ میں نے اس کا ترجمہ شکر کیا ہے۔۔۔ یہ سورہ جس گہرے شکر اور قلبی سپاس گزاری کے احساس کی نمائندگی کرتی ہے، اس کا مکمل اظہار محض 'تعریف' کے لفظ سے نہیں ہو پاتا۔ انسان کسی بھی اچھی

---

[45] الفاتحہ:۱:۱

[46] جالندھری، خان، فتح محمد، ترجمۂ قرآن کریم، قرآن سوسائٹی گجرات، پاکستان، ص:۲

[47] احمد رضا، خان، امام، کنزالایمان، مکتبۃ المدینہ، کراچی، ص:۲

[48] مودودی، سید، ابوالاعلی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ج:۱، ص:۴۳

[49] کیلانی، عبدالرحمان، تیسیر القرآن، مکتبہ دارالسلام، لاہور، ج:۱، ص:۳۰

[50] اسرار احمد، ڈاکٹر، بیان القرآن، قرآن سوسائٹی، لاہور، ج:۱، ص:۹۳

[51] تقی عثمانی، مفتی، آسان ترجمۂ قرآن، ادارہ معارف القرآن، کراچی، ج:۱، ص:۳۷

چیز کی تعریف کر سکتا ہے، چاہے اس کا اُس چیز سے کوئی ذاتی تعلق نہ ہو۔ لیکن اس سورہ میں جو جذبات ابھرتے ہیں، وہ محض کسی بیرونی خوبی کی ستائش نہیں بلکہ اُن تجربات اور مشاہدات پر مبنی ہیں جو انسان براہِ راست اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور رحمانیت سے حاصل کرتا ہے۔ یہ تعلق انسان کی فطرت سے گہرا جڑا ہوا ہے، اور جب تک اس پہلو کو واضح نہ کیا جائے، سورہ کا اصل پیغام اور اس کی روح پوری طرح اجاگر نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے 'شکر' کا مفہوم اس سورہ کے مزاج کو زیادہ بہتر طور پر نمایاں کرتا ہے"۔[52]

ناسخ و منسوخ:

ارشاد باری تعالی ہے کہ؛

" مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَاؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ"۔[53]

ترجمہ: "جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا اسکو نظر انداز کراتے ہیں تو اس سے بہتر یا اسکی مانند دوسری آیت لاتے ہیں۔ کیا تم جانتے نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

نسخ کا مفہوم: مولانا اصلاحیؒ کے نزدیک نسخ کا اصل معنی ہٹانے اور مٹانے کے ہیں۔ قرآن مجید میں فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيَاتِهٖ[54] (پس اللہ اس چیز کو ختم کرتا ہے جو شیطان داخل کرتا ہے اور پھر اللہ اپنی آیات کو محکم (مضبوط) کرتا ہے) یہاں ایک قانون کو ہٹا کر یعنی مٹا کر اس کی جگہ دوسرا قانون لانے کیلئے استعمال ہوا ہے۔[55]

مولانا اصلاحیؒ نے تفصیل سے اپنی تفسیر میں سورہ بقرہ: ۲:۱۰۶ کی آیت میں ناسخ و منسوخ پر بحث کی ہے آپؒ فرماتے ہیں کہ؛ قرآن کی بعض آیات منسوخ ہیں۔ وہ منسوخ آیات کونسی ہیں ان کا ذکر ان کے مقام پر ہو گا یہاں صرف چند باتیں ذہن نشیں کر لیجئے کہ آیات کے منسوخ ہونے کی وجوہات کیا ہیں؟ ذیل میں خلاصہ درج ہے۔

---

[52] تدبر قرآن، ج ا، ص: ۵۵، ۵٦

[53] البقرہ: ۲:۱۰٦

[54] الحج: ۵۲

[55] تدبر قرآن، ج ا، ص: ۲۹٦

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

۱۔ قرآن کریم کا اگر کوئی حکم منسوخ ہوا ہے تو وہ قرآن ہی کہ ذریعئے ہوا ہے۔ قرآن کے کسی حکم کو نہ حدیث اور نہ کوئی اور چیز منسوخ کر سکتی ہے۔ بعض فقہانے حدیث کو ناسخ مانا ہے، مگر یہ رائے ہمارے نزدیک درست نہیں، اور اس کی کمزوری اتنی واضح ہے کہ مزید رد کی ضرورت نہیں۔

۲۔ نسخ کا تعلق شریعت کے صرف احکام و قوانین سے ہے، نہ کہ عقائد، اخلاق یا تاریخی حقائق سے۔ عقائد اور اخلاقیات کوئی وقتی یا بدلنے والی چیزیں نہیں کہ آج کچھ اور کل کچھ اور حکم۔ لیکن قانونی احکام میں تبدیلی خدا کے علم و حکمت کے مطابق ممکن ہے، تاکہ شریعت کا مقصد بہتر طور پر حاصل ہو۔[56]

۳۔ نسخ کی ضرورت کسی نقص یا لاعلمی کی بنا پر نہیں، بلکہ بندوں کی فطری کمزوریوں کے پیش نظر ہوئی ہے۔ اللہ تعالی کی رحمت کا تقاضا تھا کہ وہ تدریج اور تربیت کے اصول کو ملحوظ رکھے، تاکہ انسان احکام کو قبول کر سکیں۔ یہ اصول ناسخ و منسوخ آیات پر غور سے بخوبی واضح ہو جاتے ہیں۔

مثلاً۔ بعض مواقع پر وقتی احکام دیے گئے تاکہ معاشرہ ایک تدریجی مرحلے سے گزر کر مکمل قانون کی طرف بڑھے، جیسے؛ وصیت کا حکم، جو وراثت کے حتمی قانون سے بدل دیا گیا۔ زنا کی ہلکی سزائیں، جو بعد میں حد کے حکم سے بدل گئیں۔ انصار و مہاجرین کی قانونی اخوت، جو بعد میں ختم کر دی گئی۔ بعض معاملات میں احکام تدریجاً نازل ہوئے؛ شراب، جو ابتدا میں جزوی طور پر ممنوع ہوئی، پھر مکمل طور پر حرام کر دی گئی۔ روزہ، جس کی ابتدا میں رعایتیں تھیں، جو بعد میں ہٹا دی گئیں۔

بعض جگہ پیغمبر ﷺ کو سابقہ شریعت پر عمل کی اجازت دی گئی، جیسے قبلہ کی تبدیلی، جو محض امتحان کے لیے تھا۔ کچھ احکام وقتی طور پر سخت رکھے گئے تاکہ کمزور امت میں ضبط اور پختگی پیدا کی جا سکے، جیسے: تہجد کی لازمی ادائیگی، ایک مسلمان کے لیے دس کفار کا مقابلہ، صدقہ قبل از آپ ﷺ سے نجی ملاقات بعد میں حالات کے مطابق ان میں نرمی کی گئی۔[57]

---

[56] ایضا، ج۱، ص:۳۱۵

[57] تدبر قرآن، ج۱، ص:۳۱۶

مولانا اصلاحی فرماتے ہیں کہ؛مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قرآن مجید میں اللہ تعالی کی شریعت اپنے کمال درجے تک پہنچ گئی۔لہذا اب مزید کسی قسم کے نسخ کی کوئی گنجائش نہیں۔اور جتنی رعایت احکام میں ہو سکتی تھی اللہ نے وہ بھی دے دی۔ لہذا اب منسوخ احکامات کی طرف لوٹنے کا اب کوئی جواز نہ رہا۔البتہ جو بدعات کے نسخ کا کام ہے تو وہ علماء قیامت کرتے رہیں گے۔[58]

ہر سورت کے عمود کا نظریہ:

مولانا حمید الدین فراہی اور مولانا امین احسن کے ہاں نظم قرآن کا اصلاحی نام "عمود"ہے۔چنانچہ آپ ہر سورت کے عمود بیان کرتے ہیں چنانچہ سورہ انشقاق کا عمود بیان کرتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ؛

اس سورہ اور اس سے پہلی سورہ المطففین کے درمیان ایک نمایاں معنوی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔دونوں سورتوں کا مرکزی موضوع جزا و سزا کا انکار کرنے والے متکبرین کو تنبیہ کرنا ہے۔ جس طرح المطففین میں قیامت کے منکروں کو جھنجھوڑ کر حقیقت سے آگاہ کیا گیا ہے،اسی طرح اس سورہ میں بھی اسی گروہ کو خبردار کیا گیا ہے۔یہاں بیان کیا گیا ہے کہ ایک یقینی دن آنے والا ہے،جس میں اللہ تعالیٰ انسانوں کو ان کے ایمان اور اعمال کی بنیاد پر الگ الگ گروہوں میں تقسیم فرمائے گا۔جو لوگ نیکوکار اور فرمانبردار ہوں گے،وہ دائمی سعادت اور رب کی بادشاہی میں داخل ہوں گے،جبکہ نافرمان اور گمراہ لوگ ابدی ذلت اور حسرت کا شکار ہوں گے۔

اس سورہ میں بھی انسانوں کی دو بنیادی اقسام کا ذکر کیا گیا ہے:ایک وہ جنہیں ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے اور وہ کامیاب و سرفراز ہوں گے؛دوسرے وہ جنہیں ان کے اعمال پیچھے سے بائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے اور وہ رسوائی و بدبختی کا سامنا کریں گے۔

دونوں سورتوں کے اصل مخاطب وہ خوشحال اور عیش پرست طبقے کے لوگ ہیں جو یہ گمان رکھتے تھے کہ نہ تو کوئی بازپرس کا دن آنے والا ہے،اور اگر آیا بھی تو جس طرح دنیا میں انہیں عزت و سرفرازی حاصل ہے،وہاں بھی یہی حال ہو گا۔انہیں یہ حقیقت یاد دلائی گئی ہے کہ انسان کی فطرت عدل کے شعور سے خالی نہیں،اور یہ دنیا محض ایک بے مقصد کھیل نہیں،بلکہ ایک باقاعدہ حکمت اور عدل پر مبنی نظام کا حصہ ہے۔لہٰذا ناگزیر ہے کہ ایک دن ایسا ضرور آئے جب نیکی اور بدی کے درمیان فیصلہ ہو،اور اس دن وہ لوگ ہلاک ہوں گے جنہوں نے اس بدیہی سچائی کو نظرانداز کرکے زندگی گزاری۔

[58] ایضا،ج ۱،ص:۳۱۷

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

سورہ المطففین میں استدلال کی بنیاد انسان کی فطری شعور پر رکھی گئی ہے، جبکہ اس سورہ میں جیسا کہ آگے واضح ہو گا، استدلال کا مدار کائنات کے خارجی شواہد پر ہے۔[59]

نظم قرآن میں مولانا امین احسن اصلاحی ؒ کا نظریہ:

مولانا امین احسن اصلاحیؒ اپنی کتاب "تدبر قرآن" میں نظم کی اہمیت کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں کہ؛

"ہمارے نزدیک ان حضرات کے انکار کی وجہ کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ محض یہ چیز ہے کہ انہوں نے خیال کیا کہ قرآن میں نظم کا دعوی کرنا اور پھر اس کو ہر جگہ کھول نہ سکنا ایک بڑی کمزوری کی بات ہو گی، اس سے مخالفین اسلام قرآن پر اعتراض کرنے کی ایک راہ پالیں گے اور یہ بات امت کے حق میں مضر ہو گی۔ اس چیز سے بچنے کے لیے انہوں لیے نے یہی مناسب خیال کیا کہ سرے سے نظم ہی کا انکار کر دیں۔ اگرچہ انہوں نے یہ بات نیک نیتی سے کی، لیکن اس میں شبہ نہیں ہے کہ اس کا ضرر اس چیز کے ضرر سے کہیں زیادہ ہے جس سے قرآن کو بچانے کے لیے ان حضرات نے یہ راہ اختیار کی۔ اس معاملہ میں صحیح راہ یہ تھی کہ جس حد تک نظم کو واضح کر سکتے اس حد تک واضح کرنے کی کوشش کرتے اور جہاں نہ واضح کر سکتے وہاں اپنے تصور علم کا اعتراف کر لیتے، نہ کہ کلام کے ایک صریح عیب کو اس کا ہنر ثابت کرنے کی کوشش کرتے۔

جن لوگوں نے قرآن کے جمع و ترتیب سے متعلق روایات پر غور کیا ہے وہ اس امر واقعہ سے انکار نہیں کر سکتے کہ قرآن اگرچہ نازل تو وقفہ وقفہ سے ہوا ہے، لیکن آیات کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ہوئی ہے۔ جو آیات اترتیں آپ خود سورتوں کے اندر ان کی جگہ متعین فرماتے اور کاتبین وحی کو حکم دیتے کہ ان آیتوں کو فلاں سورہ میں فلاں مقام پر رکھو اور کاتبین وحی آپ کی ہدایت کے مطابق ان آیات کو ان کی متعین جگہوں میں رکھتے۔ چنانچہ اس بات پر تمام امت کا اتفاق ہے کہ آیات کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ہوئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر قرآن مجید میں نظم نہیں ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کا حکم کیوں دیتے ہیں؟ پھر تو بہتر ترتیب نزولی ہوتی؟ جس ترتیب سے آیتیں اترتی جائیں اسی ترتیب سے ان کو رکھواتے چلے جاتے۔ جب نزولی ترتیب چھوڑ کر ایک خاص ترتیب اختیار کی گئی تو اس امر پر غور کرنا پڑے

[59] تدبر قرآن، ج۹، ص:۳۱۶

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

گا کہ آخر اس نئی ترتیب کو اختیار کرنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ اس سوال کا صحیح جواب ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ ترتیب مضامین کی مناسبت کے لحاظ پر قائم ہے۔

ہمارے اس خیال کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ قرآن مجید کے کسی حکم کے نازل ہونے کے بعد اگر کوئی ایسی آیت اتری جس میں اس حکم کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے کسی تخفیف یا ترمیم کا حکم دیا تو وہ آیت، خواہ سابق اصلی حکم کے کتنے ہی طویل زمانہ کے بعد نازل ہوئی ہو، لیکن بالعموم اس کو اس سابق حکم ہی کے پہلو میں جگہ دی گئی۔ اس کی متعدد مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں اور اگر کہیں اس اصول کی خلاف ورزی کی گئی ہے تو نظم کلام اور مناسبت مضمون کی اصولی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے"۔[60]

خلاصۂ بحث:

اس تحقیق سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ "تفسیر المقام المحمود" میں اصول تفسیر میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کی پیروی کرتے ہیں۔ مولانا سندھیؒ آیات کی تفسیر قرآن سے، احادیث و آثار صحابہ اور دیگر کتب ادیان سے کرتے ہیں۔ مولانا سندھیؒ نے آیات کی تفسیر احادیث سے بہت کم کی ہے۔۔ مولانا سندھیؒ کسی بھی آیت کے منسوخ ہونے کے قائل نہیں۔۔ مولانا سندھیؒ آیات کی تفسیر فقہی، سائنسی، انقلابی اور حکیمی طرز پر کرتے ہیں۔ فہم قرآن کے لیے نظم و ربط کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے جبکہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی تفسیر۔ تفسیر تدبر قرآن تفسیر بالرائے کی ایک بہترین مثال ہے۔ مولانا اصلاحیؒ کے تفسیری اصول دو طرح کے ہیں: داخلی وسائل اور خارجی وسائل۔ داخلی وسائل میں قرآن کی زبان (عربی) اور نظم قرآن، جب کہ خارجی وسائل میں قدیم آسمانی صحائف اور احادیث مبارکہ کو شامل کرتے ہیں۔ مولانا اصلاحیؒ اپنی تفسیر میں لغت اور کلام عرب کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔ مولانا اصلاحیؒ اپنی تفسیر میں نظم قرآن کا خاص اہتمام کرتے ہیں، ساتھ ہی ایک سورۃ کا دوسری سورت سے ربط و تعلق بیان کرتے ہیں۔ جیسے آپ نے "عمود" کا نام دیا ہے۔ مفسرین کرام احادیث مبارکہ کو داخلی وسائل میں شامل کرتے ہیں، جب کہ مولانا اصلاحیؒ نے خارجی وسائل میں شامل کیا ہے۔ مولانا اصلاحیؒ تفسیر میں احادیث مبارکہ کے حوالہ جات کم، جب کہ الہامی کتب کے حوالہ جات بہت زیادہ لائے ہیں۔ مولانا اصلاحیؒ قرآن مجید کے الفاظ کو سمجھنے

[60] مبادئ تدبر قرآن، ص: ۲۰۱

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

کے لیے کلام عرب سے مثالیں دیتے ہیں۔۔ مولانا اصلاحیؒ نے فقہی معاملات پر بہت ہی کم بحث کی ہے۔ نظم القرآن کے حوالے سے دیکھا جائے تو تدبر قرآن اردو زبان کی وہ واحد تفسیر ہے جس میں نظم کا سب سے زیادہ اہتمام کیا ہے۔

سفارشات:

- مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے تفسیری کام سے جس طرح لوگ واقف ہیں اسی طرح چونکہ مولانا سندھیؒ تحریک آزادی ہند کے ایک سرگرم کارکن تھے۔ آپؒ ایک نقلابی ذہنیت کے مالک تھے۔ اور انگریزوں کے نظام کو بہت اچھی طرح سے سمجھتے تھے۔ دور حاضر میں طلباء کو ان کی تفسیری خدمات اور تعلیمات سے واقف کروایا جائے تاکہ آج کے دور میں بھی طلباء اپنے ملک وملت کیلئے گراں قدر خدمات انجام دے سکیں۔
- مولانا سندھیؒ کے تفسیری کام سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کی مناسبت جوڑی جائے۔
- ان کی تصانیف پر زیادہ سے زیادہ جامعات میں طلباء کو تحقیقی کام کروانے کی ضرورت ہے۔

کتابیات

- القرآن الکریم
- اسرار احمد، ڈاکٹر، بیان القرآن، قرآن سوسائٹی، لاہور، ج:۱، ص:۹۳
- اصلاحی، امین احسن، مولانا، تدبر قرآن، لاہور، فاران فاونڈیشن ۱۹۷۷ء، ۱۳۹۸ھ
- اصلاحی، امین احسن، مولانا، مبادی تدبر قرآن، لاہور فاران فاؤنڈیشن، ۱۹۷۸ء
- احمد رضا، خان، امام، کنزالایمان، مکتبۃ المدینہ، کراچی، ص:۲
- تقی عثمانی، مفتی، آسان ترجمۂ قرآن، ادارہ معارف القرآن، کراچی، ج:۱، ص:۳۷
- جالندھری، خان، فتح محمد، ترجمۂ قرآن کریم، قرآن سوسائٹی گجرات، پاکستان، ص:۲
- کیلانی، عبد الرحمان، تیسیر القرآن، مکتبہ دارالسلام، لاہور، ج:۱، ص:۳۰

- مولانا سندھیؒ، عبید اللہ، مولانا، المقام المحمود فی تفسیر کتاب اللہ الودود، سندھ ساگر عبید اللہ فکری فورم، کراچی، طبع ۲۰۲۵
- سندھی، عبید اللہ، شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، طبع:۲۰۰۲ء۔
- مولانا سندھیؒ، عبید اللہ مجموعۂ تفاسیر امام سندھی، حکمت قرآن انسٹیٹیوٹ کراچی،۲۰۰۹ء۔
- مودودی، سید، اَبو الاعلی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ج:۱، ص:۴۳